

ہم پاکستان کیوں بنانا چاہتے ہیں؟

علامہ محمد اسد / ترجمہ: سید قاسم محمود

علامہ محمد اسد نے قیام پاکستان سے چار ماہ قبل اپنے رسالے Arafat میں مئی ۱۹۴۷ء میں ایک فکرائیز مقالہ لکھا تھا۔ اس مقالے میں اس وقت قیام پاکستان کے لیے جو جدوجہد ہو رہی تھی، اس پر کچھ اہم سوالات اٹھائے گئے تھے۔ آج ہمارے ملک میں قیام پاکستان پھر موضوع بحث بنا ہوا ہے، اور ہر طرح کی باتیں کہی جا رہی ہیں۔ اس پس منظر میں اس وقت کی اس تحریر کا مطالعہ چشم کشا ہے۔ علامہ محمد اسد ان چند نو مسلموں میں سے ہیں جنہوں نے اسلام کو صرف قبول ہی نہیں کیا بلکہ گہرائی میں جا کر اس کا مطالعہ کیا اور پھر اس کے پیغام کو اللہ کے بندوں تک پہنچانے کی ان تھک کوششیں کی۔ تحریک پاکستان میں انہوں نے دل و جان سے شرکت کی۔ تحریک کی قیادت سے ان کا قریبی ذاتی تعلق تھا۔ انہوں نے پاکستان کی تحریک کو اس کے صحیح پس منظر میں سمجھا اور اپنے قلم سے اس کی گراں قدر خدمت کی۔ ان کی یہ تحریر ایک تاریخی حیثیت رکھتی ہے کہ تحریک کے عروج کے وقت انہوں نے اس تحریک کے اصل ہدف اور ملت اسلامیہ ہند کے مقصد، عزائم اور احساسات کی بھرپور ترجمانی کی ہے۔

قائد اعظم، لیاقت علی خان اور نواب ممدوٹ نے ان کو پاکستان کے اسلامی دستور کا خاکہ مرتب کرنے کا کام سونپا، جسے انہوں نے ایک گراں قدر مقالے کی شکل میں تیار کیا جو پاکستان بننے کے بعد Arafat کے پہلے اور آخری شمارے میں شائع ہوا اور آج بھی کتابی شکل میں موجود ہے۔ حکومت پاکستان نے ان کو اقوام متحدہ میں پاکستان کا نمائندہ مقرر کیا لیکن پھر حالات نے ایک دوسرا رخ اختیار کرنا شروع کر دیا اور زمام کار ایسے لوگوں کے ہاتھوں آ گئی جو نہ شریک سفر تھے اور نہ تحریک پاکستان کے اصل پیغام کے امین۔ جہاں ان ۶۵ برسوں میں پاکستان کی نظریاتی شناخت کو پرانہ کرنے کی کوششیں زور و شور سے ہو رہی ہیں، وہیں پاکستان کی اصل اساس اس کی حفاظت اور اس کو اس کی اصل منزل کی طرف گامزن کرنے کی جدوجہد بھی روز افزوں ہے۔ قرارداد مقاصد کی منظوری اور

۱۹۵۶ء کا دستور ہو یا ۱۹۶۲ء یا ۱۹۷۳ء کا، پاکستان کی اسلامی شناخت ان کا طرہ امتیاز ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اصل مقاصد کی بار بار یاد دہانی ہو، نئی نسلوں کو اس تاریخی جدوجہد اور اس کے اصل اہداف سے روشناس کیا جائے۔ مسجد اور تعلیمی اداروں سے لے کر میڈیا اور پارلیمنٹ تک سب نہ صرف اس تاریخی سفر کو پوری دیانت سے پیش کریں بلکہ اس کی روشنی میں پاکستان کو ایک اسلامی فلاحی اور جہادی ریاست بنانے کے لیے سرگرم ہوں۔ ہمیں توقع ہے کہ تعلیم، تہذیب اور تبدیلی کے لیے تیاری اور جدوجہد کے اس عمل میں علامہ محمد اسد کے اس مقالے کی اشاعت ایک سنگ میل کی حیثیت اختیار کر لے گی۔ اس جذبے، خواہش اور دعا کے ساتھ ہم اس تحریر کو پرانی اور نئی دونوں نسلوں کو رمضان کے تحفے کے طور پر پیش کر رہے ہیں۔ ☆ مدیر

تین چار ماہ پہلے کی بات ہے، میں نے عرفات کے شمارہ فروری میں ایک سوال اٹھایا تھا: ”کیا واقعی ہم اسلام چاہتے ہیں؟“۔ یہ کوئی خطیبانہ سوال نہیں تھا کہ قارئین کی دینی اصلاح کے لیے ذہن میں آیا ہو۔ فی الحقیقت یہ ایسا سوال تھا جو ہمیں اپنے آپ سے ضرور پوچھنا چاہیے۔ یہ کہ ”کیا واقعی ہم اسلام چاہتے ہیں؟“ وقت آ گیا ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کو اس سوال کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اپنے حال اور مستقبل کے حوالے سے اس سوال کے تمام نتائج و عواقب کا پورا پورا تجزیہ کرنا ہوگا اور اپنے اندر اخلاقی جرأت پیدا کرنی ہوگی کہ اس سوال کے جواب میں ایمان داری سے ’ہاں‘ یا ایمان داری سے ’نہ کہہ سکیں۔ فی زمانہ، جیسے حالات ہمارے مشاہدے میں آرہے ہیں، ان کی کیفیت یہ ہے کہ بے شمار مسلمان زبان سے تو کہتے ہیں ’ہاں‘ اور عمل سے کہتے ہیں ’نہ‘۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اسلام کی باتیں تو بہت کرتے ہیں اور بلند بانگ ادعا کے ساتھ کہتے ہیں کہ اسلام بہترین ضابطہ حیات ہے، اسلام واحد ضابطہ حیات ہے جو انسانیت کو تباہی کے راستے سے بچا سکتا ہے، اس لیے اسلام واحد منزل مقصود ہے جس کے نفاذ کے لیے کوشش کی جانی چاہیے۔ یہ لوگ کہتے تو یہی ہیں، لیکن اپنے اعمال اور سماجی رویوں سے وہ اسلام سے زیادہ سے زیادہ دُور ہوتے جاتے ہیں۔ ہماری جدید تاریخ میں اسلام کے بارے میں اتنی باتیں کبھی نہیں ہوئی تھیں، جتنی آج کے ہندستان میں ہو رہی ہیں۔ ہر طرف اسلام، اسلام کا غلطہ ہے اور اس کا برعکس بھی

درست ہے کہ اسلام کی سچی روح کے مطابق عملاً اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی گزارنے کی طرف اتنی بے توجہی کبھی نہیں برتی گئی، جتنی آج کے ہندستان میں برتی جا رہی ہے۔

تحریک پاکستان کا محرک

اس مقام پر شاید میرے اس دعوے کے خلاف آپ کے دل میں شکایت یا احتجاج پیدا ہو اور آپ اس زبردست جوش و خروش کی طرف توجہ دلائیں جو نظریہ پاکستان نے مسلمانانِ ہند میں برپا کر رکھا ہے۔ آپ کہیں گے اور ایسا کہنے میں آپ حق بجانب ہوں گے کہ مسلمانانِ ہند بالآخر اپنی طویل گراں خوبی سے بیدار ہو گئے ہیں، انھوں نے ایک عظیم مقصد کے لیے اتنا زبردست اتفاق و اتحاد حاصل کر لیا ہے کہ اس سے پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔ یہ کہ مسلمان ہونے کی بنا پر انھوں نے اپنا جداگانہ ثقافتی تشخص قائم کرنے کا شعور حاصل کر لیا ہے۔ یہ کہ تحریک پاکستان کا پہلا نعرہ ہی ’لا الہ الا اللہ‘ مقرر ہوا ہے۔ یہ کہ انھوں نے ایسی سیاست حاکمہ قائم کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے جس میں مسلم تصورات کائنات، مسلم اخلاقیات اور مسلم معاشرتی افکار مکمل اظہار کی راہ پاسکیں۔ اور شاید آپ کسی قدر رنجیدگی سے مجھ سے دریافت کریں گے کہ کیا میں ان سب باتوں کو اسلامی نقطہ نظر سے بے وقعت اور غیر اہم خیال کرتا ہوں؟

بات یہ ہے کہ میں ہرگز ہرگز ان کو بے وقعت اور غیر اہم خیال نہیں کرتا۔ میری نظر میں یہ بہت وقیع اور اہم ہیں۔ میرا عقیدہ ہے (اور گزشتہ چودہ سال سے میں اس عقیدے پر قائم ہوں) کہ ہندستان میں اسلام کا کوئی مستقبل نہیں، ماسوا اس کے کہ پاکستان ایک حقیقت بن کر قائم ہو جائے۔ اگر پاکستان واقعی قائم ہو جاتا ہے تو پورے عالم اسلام میں ایک روحانی انقلاب آ سکتا ہے۔ یہ ثابت کرنے کے لیے کہ جس طرح تیرہ سو سال پہلے ایک نظریاتی، اسلامی ہیئت حاکمہ قائم کرنا ممکن تھا، کم و بیش اسی طرح آج بھی ممکن ہے لیکن ہمیں ایک سوال کا جواب دینا ہوگا۔ کیا تحریک پاکستان کے تمام قائدین اور اہل دانش جو تحریک کے ہراول ہیں، کیا وہ اپنے ان دعوؤں میں سنجیدہ اور مخلص ہیں کہ اسلام اور صرف اسلام ہی ان کی جدوجہد کا اولین محرک ہے؟ جب وہ یہ کہتے ہیں کہ ”پاکستان کا مطلب کیا، لا الہ الا اللہ“ تو کیا وہ اس کا مطلب بھی جانتے ہیں کہ وہ کہہ کیا رہے ہیں؟ پاکستان کا نظریہ اور اس کا عمل دونوں میں ایک ہی ہے، یا

مختلف و متفرق ہے؟

یہ سوالات معمولی نہیں ہیں۔ یہ بڑے سوال ہیں، اتنے بڑے کہ ہمارے موجودہ مصائب سے بھی بڑے ہیں، اور اُن انفرادی تکالیف سے بھی بڑھ کر ہیں جو اس ملک میں ہزاروں مسلمان مرد و زن سردست برداشت کر رہے ہیں۔ ان سوالوں کے جواب ہی سے فیصلہ ہوگا اس امر کا کہ یہ تکالیف اور قربانیاں مستقبل کے ایک نئے تناظر، یعنی اسلام کے مکمل اثبات و نفاذ کی نوید لائیں گی یا ایک قومی مسلم ریاست کی تشکیل کے ذریعے مسلمانان ہند کی محض اقتصادی صورت حال کی اصلاح و ترقی کی ضامن ہوں گی۔

یہاں میں جریدہ عرفات کے شمارہ فروری ۱۹۴۷ء میں شائع شدہ اپنے ایک مضمون کا اقتباس پیش کرنے کی جسارت چاہتا ہوں۔ میں نے لکھا تھا: ”تحریک پاکستان ایک نئے اسلامی نظام کا نقطہ آغاز بن سکتی ہے، بشرطیکہ ہم مسلمان محسوس کریں اور قیام پاکستان کے بعد بھی برابر محسوس کرتے رہیں کہ اس تحریک کی حقیقی اور تاریخی وجہ جواز یہ نہیں ہے کہ ہم اس ملک کے دوسرے باشندوں سے مختلف لباس پہنتے، مختلف زبان بولتے یا مختلف انداز میں علیک سلیک کرتے ہیں، یا یہ کہ ہمیں دوسری قوموں سے کچھ شکایات ہیں، یا یہ کہ ہمیں زیادہ معاشی مواقع کی خواہش ہے یا یہ کہ ان لوگوں کے لیے جو خود کو محض عادت کے طور پر ’مسلمان‘ کہلاتے ہیں، زیادہ کشادہ جگہ کی طلب ہے۔ نہیں، ایسا نہیں ہے۔ مطالبہ پاکستان کا اگر کوئی جواز ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ ایک سچی اسلامی مملکت قائم کی جائے، دوسرے لفظوں میں یہ کہ عملی زندگی میں اسلامی احکام و شعائر رائج کیے جائیں۔“

”پاکستان کے بارے میں میرا تصور یہی ہے، اور میں سمجھتا ہوں کہ بہت سے مسلمانوں کا بھی یہی تصور ہے۔ میں نے ’بہت سے‘ کہا ہے، ’سب‘ نہیں کہا، اور نہ ’بیش تر‘ کہا۔ اس احتیاط کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے اکثر و بیش تر تعلیم یافتہ طبقے کا تصور پاکستان یہ نہیں ہے۔ ان کے نزدیک پاکستان کا مطلب فقط یہ ہے کہ مسلمانان ہند کو ہندو غلبے سے نجات دلائی جائے اور ایک ایسی ہیئت حاکمہ قائم کی جائے جہاں مسلمانوں کو اقتصادی مفہوم میں اپنی ایک خود مختار جگہ مل جائے۔ ان کے نزدیک اسلام کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ متعلقہ لوگوں کا مذہب اتفاق سے اسلام ہے، جیسے کہ آئرلینڈ کی جدوجہد آزادی میں کیتھولکیت کو بھی اس لیے کچھ اہمیت حاصل ہو گئی تھی کہ

آئرلینڈ کے بیش تر باشندوں کا یہی مذہبی تھا، اور جس طرح کہ آئرستانی قومیت کی تحریک میں کیتھولکیت کو محض ایک اضافی، جذباتی عنصر کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی، اسی طرح خدشہ ہے کہ تحریک پاکستان میں اسلام کے نام پر نعرے بازی بھی کہیں قومی خود اختیاری کی جدوجہد میں محض ایک اضافی، جذباتی عنصر بن کر نہ رہ جائے۔

میں صاف صاف اور واضح لفظوں میں یہ کہہ دینا چاہتا ہوں کہ ہمارے بہت سے بھائی اور بہنیں پاکستان کے روحانی و اسلامی مقاصد پر یقین تو کیا رکھیں گے، وہ ان کی مطلق پروا بھی نہیں کرتے، اور وہ ایسے جذبات کے بہاؤ میں بہے چلے جا رہے ہیں جو قوم پرستی کے جذبات سے ملتے جلتے ہیں۔ اور یہ بات خاص طور پر ان مسلمانوں پر لاگو ہوتی ہے جنہوں نے مغربی خطوط پر تعلیم پائی ہے۔ دین اسلام سے ان کی بے اعتنائی گذشتہ چند عشروں میں پختہ ہوئی ہے۔ شرعی احکام کی پابندی ایسے لوگوں کے لیے خاصی پریشان کن اور تکلیف دہ بن گئی ہے۔ مغربی طرز فکر کے سوا کسی اور انداز میں سوچنے سمجھنے کی قابلیت ان میں مفقود ہو چکی ہے۔ چنانچہ ان کے قلوب میں یہ عقیدہ پیدا ہی نہیں ہوتا کہ دنیا کے معاشرتی اور سیاسی مسائل خالص مذہبی اصولوں کے تحت حل پذیر ہو سکتے ہیں۔ اسلام کا نام ان کی زبان پر آتا ہے تو محض رسماً آتا ہے، کسی اصول و نظریے کے تابع ہو کر نہیں آتا۔ انھیں اسلام سے کوئی دل چسپی ہوتی ہے، تو زیادہ سے زیادہ یہ کہ اپنی قوم کی روایات میں ثقافتی اقدار کا بھرم رکھا جائے۔ اس قسم کی ذہنیت والے لوگوں کے لیے پاکستان کا مطالبہ ویسا ہی قومی مطالبہ ہے، جیسے مصر مصریوں کے لیے، چیکوسلواکیہ چیک لوگوں کے لیے، یعنی لوگوں کے ایک گروہ کی جانب سے، چند مخصوص اقتصادی مفادات اور چند مشترکہ ثقافتی خصائص (اور مسلمانان ہند کی صورت میں اسلام سے وابستہ ثقافتی خصائص) کی اساس پر خود اختیاری کا مطالبہ۔ نہ اس سے زیادہ نہ اس سے کم۔

یقیناً آپ مجھ سے اتفاق کریں گے کہ یہ پاکستان کا بہت کمزور تصور ہے۔ یہ تصور اس اسلامی جوش و خروش سے کوئی مطابقت نہیں رکھتا، جس کا مظاہرہ ہمارے عوام کی بہت بڑی اکثریت بڑے واضح، لیکن بڑے بے ہنگم طریقے سے کر رہی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ ہمارے اکثر نام نہاد ارباب دانش اسلام سے صرف اس حد تک غرض رکھتے ہیں، جس حد تک کہ وہ ان کی سیاسی خود اختیاری کی جدوجہد کے لیے مفید مطلب ہو سکتا ہے، جب کہ ہمارے عوام خود اختیاری کا مطالبہ

صرف احیائے اسلام کی آرزو کے تحت کر رہے ہیں۔ لیکن چونکہ ان کی آرزوئیں واضح نہیں ہیں اور وہ نہیں جانتے کہ انھیں حاصل کیوں کر کیا جاتا ہے، اس لیے وہ قدرتاہل قیادت پر بھروسہ کرتے ہیں۔ پس قیادت کے روحانی اوصاف ہی سے بالآخر یہ طے ہوگا کہ پاکستان کے لیے مسلمانوں کی جدوجہد کی روحانی کیفیت کیا ہوگی، اور پاکستان اپنے قیام کے بعد کیسا رنگ روپ اختیار کرے گا؟

پاکستان کی انفرادیت

جہاں تک مسلمانانِ ہند کا تعلق ہے، تحریک پاکستان کی جڑیں ان کے اس جبلی احساس میں پیوست ہیں کہ وہ ایک 'نظریاتی قوم' ہیں، اور اسی لیے وہ خود مختار، جداگانہ سیاسی وجود کے حق دار ہیں۔ بالفاظِ دیگر وہ محسوس کرتے اور جانتے ہیں کہ ان کا جداگانہ تشخص، دوسری اقوام کی طرح، مشترکہ نسلی مشابہتوں اور قرابتوں یا مشترکہ ثقافتی اقدار و روایات کے شعور کی بنیاد پر قرار نہیں پاتا، بلکہ اسلامی نظریہ و اعتقاد سے مشترکہ وابستگی کی اساس پر قرار پاتا ہے۔ پس ان پر لازم آ جاتا ہے کہ وہ اپنے جداگانہ تشخص کے جواز کی خاطر ایسا معاشرتی و سیاسی نظام قائم کریں جس میں اسلامی نظریہ و اعتقاد (یعنی شریعت) ان کی قومیت کے ہر پہلو اور ہر منظر میں سب کو دکھائی دے۔

یہ ہے تحریک پاکستان کا حقیقی و تاریخی نصب العین۔ یہ ہرگز ہندستان میں مسلم اقلیت کے اجتماعی مسئلے کا حل نہیں ہے۔ پاکستان میں ہمیشہ غیر مسلم اقلیتیں رہیں گی، جس طرح کہ ہندستان میں مسلم اقلیتیں رہیں گی، اس لیے اقلیتوں کے مسئلے کے سراسر حل کی ذمہ داری پاکستان پر عائد نہیں ہوتی۔ یہی ہے وہ نکتہ جس پر ہمیں اور ہمارے نکتہ چینیوں کو ذرا رک کر غور و فکر کر لینا چاہیے۔ اقلیتوں کا مسئلہ بے شک ہر لحاظ سے ہندستان کے سیاسی مستقبل کے لیے انتہائی اہم ہے، لیکن یہ مسئلہ بنیادی طور پر تحریک پاکستان کا ذمہ دار نہیں ہے۔ حقیقت صرف اتنی ہے کہ اقلیتوں کا مسئلہ تحریک پاکستان کے اصلی نصب العین کا ایک اتفاقی لازمہ ہے۔ تحریک پاکستان کا اصلی نصب العین کیا ہے؟ ایک اسلامی ہیئتِ حاکمہ کا قیام، جس میں ہمارا نظریہ حقیقت کا رنگ روپ اختیار کر سکے۔ صرف اسی نصب العین کی روشنی میں ہم دیکھ سکتے ہیں کہ ممبئی یا مدراس کے مسلمان، جن کو خوب معلوم ہے کہ ان کے صوبے پاکستان کا حصہ نہیں بنیں گے، حصول پاکستان کے اتنے ہی متمنی ہیں جتنے پنجاب یا بنگال

کے مسلمان۔ ممبئی اور مدراس کے مسلمان یہ جاننے کے باوجود کہ ان کے صوبے جغرافیائی و علاقائی اعتبار سے پاکستان میں شامل نہیں ہوں گے، اگر 'مسلم اکثریت' کے صوبوں کے بھائیوں کی مانند پوری شدت و توانائی سے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ محسوس کرتے ہیں کہ پاکستان میں اسلامی نظام کا نفاذ اس دعوے کا ٹھوس ثبوت ہوگا کہ اسلام ایک عملی مذہب اور مکمل ضابطہ حیات ہے، اور یہ کہ مسلمان، محض مسلمان ہونے کی بنا پر ایک ملت ہیں، خواہ وہ جغرافیائی لحاظ سے کسی بھی علاقے میں آباد ہوں۔ اور اگر غیر مسلم ہمارے اس دعوے پر اس بنیاد پر نکتہ چینی کرتے ہیں کہ دنیا میں کہیں بھی، حتیٰ کہ دنیاے اسلام میں بھی، کسی ملک یا علاقے میں محض مذہبی عقائد کی اساس پر جداگانہ قومیت کا مطالبہ نہیں کیا جاتا، تو ہمارا جواب یہ ہے کہ یہی تو تحریک پاکستان کی خاص انفرادیت ہے۔

کیا دوسروں کو یہ طے کرنے کا حق دے دیا جائے کہ ہماری قومیت کے عناصر کیا ہونے چاہئیں اور کیا نہیں؟ کیا ہمیں اس حقیقت کے اعتراف میں شرمساری محسوس کرنی چاہیے کہ ہمارا سیاسی نصب العین ترکوں، مصریوں، افغانیوں، شامیوں یا ایرانیوں کے موجودہ سیاسی نصب العین سے بالکل مختلف ہے؟ کیا ہمیں یہ سوچ کر فخر نہیں کرنا چاہیے کہ تمام مسلم اقوام میں، یہ ہم اور صرف ہم مسلمانان ہند ہیں جو گردشِ ایام کو پیچھے کی طرف لوٹا کر اُمتِ واحدہ کے اُس تصور کی جستجو میں نکل کھڑے ہیں جس کی ہدایت انسان کامل صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ کے لیے روشن کر دی تھی۔

پس دنیاے اسلام میں جہاں کہیں بھی سیاسی عوامی تحریکیں چل رہی ہیں، ان سب کے مقابلے میں تحریک پاکستان فی الحقیقت منفرد و یکتا ہے۔ اس جیسی اور کوئی تحریک نہیں۔ بلاشبہ وسیع و عریض دنیاے اسلام میں اور بھی لوگ ہیں جو اسلام کے سچے شیدائی ہیں، جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے فروغ کے لیے اور اپنی قوم کی اخلاقی سر بلندی کے لیے بے لوث خدمات انجام دے رہے ہیں، لیکن پوری دنیا میں کہیں بھی ایسا نہیں ہے، سوائے تحریک پاکستان کے، کہ پوری کی پوری مسلم قوم منزلِ اسلام کی جانب گامزن ہوگئی ہو۔ پوری دنیاے اسلام میں کوئی عوامی تحریک ایسی نہیں ہے، جس کی اساس اسلامی جذبے پر رکھی گئی ہو، سوائے تحریک پاکستان کے۔ کسی بھی موجودہ اسلامی ملک میں ایسی تحریک نہیں چلی جس کا مقصد اسلامی نظام کا نفاذ ہو،

سوائے تحریک پاکستان کے۔ بعض اسلامی ممالک، مثلاً ترکی اور ایران، اپنے سرکاری و حکومتی مقاصد میں علانیہ غیر اسلامی ہیں، اور انھوں نے کھلم کھلا اعلان کر رکھا ہے کہ اسلام کو سیاست اور عوام کی معاشرتی زندگی سے الگ رکھنا چاہیے۔ حتیٰ کہ اُن اسلامی ملکوں میں بھی، جہاں مذہب کی تھوڑی بہت قدر باقی ہے، اور جہاں مختلف مدارج میں اس کی روحانی میراث برقرار ہے، وہ بھی یوں سمجھیے کہ صرف ان معنوں میں 'اسلامی' ہیں کہ وہاں کے باشندوں کی اکثریت کا مذہب اسلام ہے، جب کہ ان کے سیاسی مقاصد و عزائم اسلامی اصول و نظائر کے تابع نہیں ہیں، بلکہ ان کے حکمران یا مقتدر گروہ جس چیز کو 'قومی مفادات' کہتے ہیں، مغرب کے مفہوم ہی میں 'قومی مفادات' ہیں۔ اس لیے ان ملکوں کی سیاسی تنظیمات سے، خواہ وہ سعودی عرب یا افغانستان کی طرح مطلق العنان سلطنت ہوں یا شام کی طرح ری پبلک ہوں یا مصر اور عراق کی طرح آئینی بادشاہت ہوں، اسلام کی طرف جھکاؤ رکھنے کی توقع نہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان ملکوں کے عوام یا حکمران اسلام سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ مختلف تاریخی وجوہ سے ان کی حکومتوں یا سیاسی نظاموں کا اسلام سے براہ راست تعلق نہیں ہے۔

تحریک پاکستان کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ بلاشبہ اس تحریک میں اسلام سے جذباتی وابستگی اور اسلامی سیاسی نظام میں آپس میں گہرا تعلق ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اس تحریک کی عملی کامیابی کا سبب ہمارے عوام کی یہ جذباتی خواہش (اگرچہ مبہم) ہے کہ ایک ایسی ریاست قائم کی جائے، جہاں حکومت کی اشکال و اغراض اسلام کے اصول و احکام کے مطابق ہوں، ایک ایسی ریاست جہاں اسلام عوام کے مذہبی و ثقافتی روایات کا محض ٹھپہ نہیں ہوگا بلکہ ریاست کی تشکیل و تاسیس کا بنیادی مقصد ہوگا۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ایک ایسی نئی اسلامی ریاست جو جدید دنیا میں پہلی ریاست ہوگی — تمام اسلامی ملکوں کے سیاسی افکار میں انقلاب برپا کر دے گی اور دوسرے اسلامی ملکوں کے عوام میں بھی تحریک پیدا کرے گی کہ وہ ایسے ہی نصب العین کے لیے جدوجہد کریں، اور یوں یہ ریاست (پاکستان) دنیا کے اکثر حصوں میں تجدید و احیاء اسلام کی عالم گیر تحریک کا پیش خیمہ بن جائے گی۔

اس لیے مجھے یہ کہنے میں پاک نہیں کہ تحریک پاکستان احیاء اسلام کے لیے زبردست

امکان کا درجہ رکھتی ہے اور جہاں تک میری نظر جاتی ہے، تحریک پاکستان ایک ایسی دنیا میں تجدید و احیا کی 'واحد امید' ہے جو بڑی تیزی سے اسلامی مقاصد سے دُور ہوتی جا رہی ہے۔ لیکن یہ 'واحد امید' بھی اس اعتبار پر قائم ہے کہ ہمارے قائدین اور عوام قیام پاکستان کا اصل مقصد اپنی نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیں اور اپنی تحریک کو ان نام نہاد 'قومی' تحریکوں میں شامل کرنے کی ترغیب میں نہ آئیں جو آئے دن جدید دنیاے اسلام میں ابھرتی رہتی ہیں۔ یہ ایک بہت بڑا خطرہ ہے، اور مجھے کبھی کبھی اس کے رونما ہونے کا خدشہ صاف نظر آتا ہے۔ میری مراد نسلی خطوط پر قوم پرستی سے نہیں ہے، جس کی مثالیں دوسرے ملکوں میں دکھائی دیتی ہیں۔ مسلمانانِ ہند میں نسلی بنیاد پر قوم پرستی ناممکن ہے، کیونکہ یہاں مسلم قوم انتہائی متنوع نسلی عناصر سے ترکیب پائی ہے۔ لیکن تحریک پاکستان کے اپنے اصلی نظریاتی راستے سے منحرف ہونے کا خطرہ مجھے ایک اور سبب سے نظر آ رہا ہے۔ وہ سبب یہ ہے کہ 'ثقافتی قومیت' پر ضرورت سے زیادہ زور دیا جا رہا ہے، یعنی مشترکہ نظریاتی اساس کے بجائے چند مخصوص ثقافتی رجحانات، سماجی عادات و رسوم کا تحفظ، اور اس گروہ کے معاشی مفادات کا تحفظ جو بر بنائے پیدائش 'مسلمان' واقع ہوئے ہیں۔ اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ اسلامی خطوط پر مسلمانوں کے مستقبل کی منصوبہ سازی میں ثقافتی روایات و اقدار اور فوری معاشی تقاضوں کی پاسداری انتہائی اہمیت کے حامل عوامل ہیں، لیکن جو نکتہ ذہن نشین کرانا مقصود ہے، وہ یہ ہے کہ ان انتہائی اہم عوامل کو ہمارے نظریاتی نصب العین سے الگ جداگانہ حیثیت نہیں دی جاسکتی۔

لیکن صاف نظر آ رہا ہے کہ ہمارے اکثر و بیش تر ارباب دانش سے یہ غلطی سرزد ہو کر رہے گی۔ جب وہ پاکستان کی بات کرتے ہیں تو وہ اکثر یہ تاثر دیتے ہیں کہ جیسے مسلم دنیا کے 'حقیقی' مفادات اسلام کے خالص نظریاتی مفادات سے جدا کوئی چیز ہوں۔ بالفاظِ دیگر اسلام کے بنیادی نظائر و شعائر سے کوئی تعلق رکھے بغیر بھی 'اچھا پاکستانی' بننا ممکن ہے۔

میرا خیال ہے کہ قارئین محترم میری اس رائے سے اتفاق کریں گے کہ 'مسلم مفادات' اور 'اسلامی مفادات' میں تفریق کرنا بے عقلی کی بات ہے۔ اسلام مسلمانوں کے وجود و تشخص کے چند عوامل و خصائص میں سے محض ایک ہے۔ اس کے علاوہ کئی اور عوامل اور بنیادی

جواز ہے۔ مسلم مفادات کو اسلام سے جدا کوئی چیز خیال کرنا ایسے ہی ہے جیسے کسی 'زندہ چیز' کو زندہ بھی کہنا اور زندگی سے عاری بھی سمجھنا۔ ایک سوچنے سمجھنے والے آدمی کے نزدیک یہ کیسی بھی بے عقلی کی بات ہو، یہ امر بھی تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ بیش تر لوگ (اور ان میں ہمارے بیش تر ارباب دانش بھی شامل ہیں) غور و فکر نہ کرنے کی عادت میں مبتلا ہیں۔

فراریت اور خود فریبی

جب ہمارے قائدین اور ہمارے ارباب دانش حصول پاکستان کی خاطر مسلمانوں سے اتحاد، اخوت، ایثار اور ضرورت پڑنے پر اپنا سب کچھ قربان کرنے کی اپیلیں کرتے ہیں تو ان کے ذہن میں 'اسلامی ہیئت حاکمہ' کا نقشہ کیا ہوتا ہے؟ کیا یہ درست نہیں ہے کہ وہ تحریک پاکستان کے منفی پہلو سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں۔ یہ منفی پہلو ناممکنات سے ہے، یہ کہ غیر مسلم غلبے کے تحت مسلمانوں کا آزادانہ زندگی گزارنا۔ کیا یہ درست نہیں ہے کہ وہ تحریک پاکستان کے مثبت پہلو سے تعلق کم کم رکھتے ہیں۔ مثبت پہلو یہ ہے کہ اسلام کی خاطر، اسلام کے مطابق اپنا معاشرتی و سیاسی نظام قائم کرنا۔ کیا یہ درست نہیں ہے کہ اکثر و بیش تر تعلیم یافتہ مسلمانوں اور ہمارے اکثر سیاسی لیڈروں کے نزدیک اسلام محض غیر مسلموں سے فرقہ وارانہ جدوجہد میں ایک جنگی تدبیر ہے، بجائے اس کے کہ اسلام مقصود بالذات ہوتا۔ گویا اسلام ہماری منزل مقصود نہیں، ایک منطقی استدلال ہے۔ ایک اُمنگ نہیں، ایک نعرہ ہے۔ کیا یہ درست نہیں ہے کہ ہمارے اکثر رہنما نام نہاد مسلم قوم کے لیے زیادہ سیاسی قوت اور زیادہ معاشی مراعات کے حصول کے لیے کوشاں ہیں، بجائے اس کے کہ وہ نام نہاد مسلم قوم کو ایک سچی اسلامی قوم بنانے کی کوشش کرتے؟

ہمارے رہنماؤں نے اب تک جو اچھے کام انجام دیے ہیں، میں انھیں کم کر کے نہیں دکھانا چاہتا۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ بعض اعتبار سے ان کے کارنامے بہت زیادہ ہیں اور انتہائی تعریف و توصیف کے مستحق ہیں۔ انھوں نے ایک خوابِ خرگوش میں ڈوبی ہوئی قوم کو بیدار کیا ہے، یہی کارنامہ بہت بڑا ہے۔ پھر یہ کہ انھوں نے قوم میں ایسا زبردست اتحاد پیدا کیا ہے، جو دنیا کے اسلام میں اس سے پہلے کبھی نظر نہیں آیا۔ ہر ذی ہوش آدمی اس کا اعتراف کرے گا اور کرنا چاہیے۔ میں جو اپنے بعض دیگر کاموں کا ذکر کر رہا ہوں، وہ ہیں کہ انھوں نے مسلم عوام

کی تقدیر بدل دینے والی اس فیصلہ کن گھڑی میں انھیں روحانی عظمت کی راہ پر گامزن کرنے کے بجائے دیدہ دانستہ اس راہ پر لگا دیا جو بنیادی طور پر ہمارے موجودہ بحران کی ذمہ دار ہے۔ اس بات کو ہمیں سادہ لفظوں میں یوں کہوں گا کہ ہمارے رہنماؤں نے یہ بتانے اور دکھانے کی سنجیدہ کوشش نہیں کی کہ اسلام ہی ہماری موجودہ جدوجہد اور تحریک کا اصل اور بنیادی مقصد و منہا ہے۔ اس میں شک نہیں، جب وہ اخباری بیان جاری کرتے ہیں یا عوامی جلسے سے خطاب کرتے ہیں تو اسلام کا نام ضرور لیتے ہیں، لیکن لفظ اسلام کا استعمال وہ صیغہ مستقبل میں کرتے ہیں، کہ جب پاکستان وجود میں آجائے گا تو اسلام بھی آجائے گا۔ انھوں نے کبھی مسلمانوں کے موجودہ طرز فکر اور طرز حیات کو اسلامی اصول و احکام سے زیادہ ہم آہنگ اور مطابق کرنے کی ذرا بھی کوشش نہیں کی۔ میرے خیال میں، یہ بہت بڑی فروگزاشت ہے۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ مستقبل حال کا بچہ ہے، اٹل ہے، غیر متبدل ہے۔ جیسا ہم آج سوچیں اور کریں گے، اس کا اثر ہماری کل کی زندگی پر ضرور پڑے گا۔ اگر پاکستان کا مطلب فی الواقع لا الہ الا اللہ کے کلمے میں پوشیدہ ہے، تو ہمارا عمل بھی اس کلمے کے مطلب کے قریب سے قریب تر ہونا چاہیے۔ گویا ہمیں صرف اپنے قول کا سچا مسلمان نہیں، بلکہ اپنے عمل کا بھی پکا مسلمان ہونا چاہیے۔

یہ فریضہ اور منصب ہمارے رہنماؤں کا ہے کہ وہ اپنے پیروکاروں کو تلقین کریں کہ آج وہ پکے مسلمان بنیں تاکہ کل سچے پاکستانی بن سکیں۔ حالانکہ وہ ہمیں صرف اس امر کا یقین دلاتے ہیں کہ پاکستان کے بنتے ہی ہم پکے مسلمان بن جائیں گے۔

یہ آسان اور لفظی یقین دہانی ہے۔ اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ یہ پرلے درجے کی خود فریبی ہے۔ اگر ہم اسلامی زندگی کا بیج آج نہیں بوئیں گے، جب کہ اسلام کے لیے ہمارا تحریکی جوش و خروش اپنے عروج پر ہے، تو کوئی بھی معقول آدمی اس یقین دہانی پر اعتبار نہیں کرے گا کہ جب تحریک ختم ہو جائے گی اور سیاسی آزادی مل جائے گی، تو ہم یکا یک اور خود بخود سچے اور پکے مسلمان بن جائیں گے۔

بعض رہنما میرے اس خیال کے جواب میں کہتے ہیں:

”بھائی صاحب، تم قنوطی ہو، خواہ خواہ تشویش میں مبتلا رہتے ہو۔ ہم سب سچی اسلامی زندگی

کے آرزو مند ہیں لیکن ہمیں، اسی وقت اس پر اصرار رکھنا ہوگا۔ ہماری صفوں میں

بے شمار ایسے لوگ ہیں جو سیاسی میدان میں قابلِ قدر خدمات انجام دے رہے ہیں، لیکن غلط تربیت کے باعث مذہب کی زیادہ پروا نہیں کرتے۔ اگر ہم اپنی تحریک کے آغاز ہی میں اپنی جدوجہد کے مذہبی پہلو پر زیادہ زور دیں گے تو ان قیمتی کارکنوں کا جوش ٹھنڈا پڑ جائے گا، جس کا ہماری جدوجہد پر بہت بُرا اثر پڑے گا اور یہ سراسر نقصان کی بات ہوگی۔ ہمارے نصب العین کو ضعف پہنچے گا۔ ہم اپنے رضا کاروں کو کھونا نہیں چاہتے۔ ان کی خدمات سے محروم نہیں ہونا چاہتے۔ ہماری اپنی اسلامی مملکت حاصل ہونے تک ہم اپنے عوام کی مذہبی اصلاح کا کام ملتوی کرنے پر مجبور ہیں۔ فی الحال ہمیں اپنی پوری توانائیاں اس چھوٹے مقصد کے حصول کے لیے وقف کر دینی چاہئیں، یعنی غیر مسلم تسلط سے مسلمانوں کی آزادی اور اپنی توانائیاں خالص مذہبی معاملات پر فی الحال خرچ نہیں کرنی چاہئیں۔ ایک سچی بیعت حاکمہ کا قیام اور مسلمانوں میں سچا مذہبی شعور بہت اہم کام ہے، لیکن یہ قیام پاکستان کے بعد شروع ہوگا۔ فی الحال مغرب زدہ بھائیوں اور بہنوں کو اپنے نصب العین سے الگ کر دینے سے نقصان ہوگا، بلکہ مذہب پر زیادہ زور دینے سے پاکستان کے علاقے میں رہنے والی غیر مسلم اقلیتوں کو بھی تشویش پیدا ہوگی۔“

میرا ذاتی خیال ہے کہ یہ طرزِ استدلال بالکل غلط ہے، اور عقلی لحاظ سے بددیانتی۔ آئیے ان حضرات کی ایک ایک دلیل پر نکتہ بہ نکتہ غور کرتے ہیں۔ پہلے غیر مسلم اقلیتوں والی بات لیتے ہیں۔ جہاں تک اس امر کا تعلق ہے کہ اسلامی طرزِ فکر و حیات پر زور دینے سے ہماری غیر مسلم اقلیتوں میں تشویش پیدا ہوگی، تو میں آپ سے پوچھتا ہوں: ”وہ کیا چیز ہے جس نے غیر مسلموں کو نظریہ پاکستان کا سخت مخالف بنا رکھا ہے؟“ ظاہر ہے، فرقہ وارانہ راج کا خوف، اس بات کا خوف کہ مسلم اکثریتی علاقے بھارت ماتا سے کٹ جائیں گے۔ یہ مسئلہ غیر مسلموں کے ذہن میں پیدا ہی نہیں ہوتا کہ مسلمان اسلامی اصول و احکام کے مطابق اپنی زندگی گزارنا چاہتے ہیں یا نہیں۔ وہ اگر خائف ہیں تو اس بات سے کہ بعض علاقوں میں مسلمانوں کا سیاسی اقتدار قائم ہو جائے گا۔ انہیں بہ نظر ظاہر اس بات سے کوئی غرض نہیں کہ مسلمان اپنے مذہب پر چلنے کی کتنی اُمَنگ رکھتے ہیں اور اس پر چلنے کے کیسے عزائم۔ وہ ہر حالت میں اور

ہر صورت میں مخالفت کریں گے اور اسے رکوانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگائیں گے۔

ہمارے حریفوں کے مخالفانہ رویے کے باوجود اگر انھیں یہ باور کرایا جائے کہ ہم مسلمانوں کا مقصد سب کے لیے عدل و انصاف کا قیام ہے تو وہ کسی حد تک اس خیال سے متاثر ہو سکتے ہیں۔ میں نے یہ نہیں کہا کہ وہ ضرور متاثر ہو جائیں گے، صرف یہ کہا ہے کہ متاثر ہو سکتے ہیں، بشرطیکہ ہم انھیں یہ باور کرانے میں کامیاب ہو جائیں کہ ہم مسلمانوں کے مفاد کی خاطر غیر مسلموں کا استحصال نہیں کرنا چاہتے، بلکہ ہم انسانی اخلاق کے بنیادی اصولوں کی بالادستی قائم کرنے کے متمنی ہیں۔ لہذا یہ ہمارا فرض عین ہے کہ ہم پوری دنیا پر ثابت کر دیں کہ ہم فی الواقع قرآن مجید کے ان الفاظ کے معنی و منشا و معیار کے مطابق زندگی گزارنا چاہتے ہیں:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُوْمِنُونَ بِاللَّهِ ط (ال عمران ۱۱۰:۳)، اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

اللہ تعالیٰ کی نظر میں ہمارا بہترین اُمت ہونے کا انحصار اس امر پر موقوف ہے کہ ہم ہمیشہ اور ہر حالت میں انصاف کی بالادستی اور بے انصافی کے انسداد کے لیے، جدوجہد کے لیے ہمہ وقت تیار رہیں۔ غیر مسلموں کو اپنی عدل گستری کا یقین دلانے سے پہلے ہمیں ایک سچی مسلم قوم بننا پڑے گا۔ ہم بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ ایک غیر مسلم کو ایک ایسی ریاست میں رہتے ہوئے تشویش ضرور لاحق ہوگی، جو اس کی نظر میں معاشی حقوق و مفادات میں مسلمانوں کو غیر مسلموں پر ترجیح دے گی۔ لیکن اگر اسے یقین دلایا جائے کہ وہاں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے ساتھ یکساں سلوک ہوگا تو اس کی تشویش اگر دور نہیں ہوگی، تو اس میں کمی ضرور ہو جائے گی۔ اب یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ ہم اپنے حریفوں کو اپنی اصلی سچائیاں نہیں دکھا سکتے، جب تک ہم ان پر ثابت نہ کریں: اول یہ کہ اسلامی حکومت کا مطلب ہے عدل سب کے لیے۔ دوم یہ کہ ہم مسلمان واقعی اپنے دین کے احکامات پر قول و فعل میں سچے پیروکار ہیں۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ اسلامی حکومت میں عدل سب کے لیے ہوتا ہے، تو ایسا ہی ہوتا ہے کہ یہ جہاں پہلا عدل ہے وہاں پہلا اسلام ہے۔ یہی مقاصد پر زور

نہیں دیں گے اور حتی الوسع براہ راست مذہبی حوالے دینے سے احتراز کریں گے، تو اس طرح غیر مسلم اقلیتوں کی تشویش دُور ہو جائے گی، بلکہ ہمارے اس رویے سے تو انھیں یہ شبہ ہوگا کہ ہم منافقت سے کام لے رہے ہیں۔ ان کی تشویش دُور یا کم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہم صاف دلی سے، اور پوری تفصیلات کے ساتھ بتا دیں کہ ہمارے اخلاقی مقاصد کیا ہیں جن کے لیے ہم جدوجہد کر رہے ہیں، لیکن صاف دلی سے دیے گئے بیانات سے بھی کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا، تاوقتیکہ ہم اپنی روزمرہ کی زندگی میں انھیں یہ مشاہدہ نہ کرادیں کہ ہمارے اخلاقی مقاصد محض نعرے نہیں ہیں، بلکہ ہمارے اخلاقی اعمال ہیں۔

عارضی قسم کے 'خلاف مصلحت' یا 'سیاسی تدبیر' کے نام پر (غلط فہمی سے) اپنے اصل مستقل اسلامی مقاصد سے گریز پائی ایک ایسی عاقبت نااندیشی ہے، جس سے غیر مسلموں پر تو برا اثر پڑتا ہی ہے، ہم مسلمانوں کے اخلاقی مزاج پر بھی نقصان دہ اثر پڑتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکل سکتا ہے کہ ہم اسلام کے بتائے ہوئے راستے سے مزید دُور ہو جائیں، ہم مسلمانوں کے سامنے احیائے اسلام کا جو اصل نصب العین ہے، اس کے زیادہ سے زیادہ شعور آگئی کے بجائے، ہم دوبارہ مصلحت اندیشی اور فوری آسائش کی اصطلاحوں میں سوچنے کے عادی ہو جائیں گے، جیسا کہ ہم صدیوں سے اس کے عادی چلے آ رہے ہیں، اور یوں پاکستان کا اسلامی نصب العین یقیناً گھٹ کر صرف نظریہ پرستی بن کر رہ جائے گا، جیسا کہ مغرب کی نام نہاد مسیحی اقوام میں مسیحیت کے پتے مقاصد گھٹ کر اپنی اصلیت کھو چکے ہیں۔ ہم ہرگز ایسا نہیں چاہتے۔

ہم پاکستان اس لیے بنانا چاہتے ہیں کہ اسلام کو اپنی روزمرہ کی زندگیوں میں 'حقیقت' بنادیں۔ ہم پاکستان اس لیے بنانا چاہتے ہیں کہ ہم میں سے ہر ایک شخص، مرد و زن، چٹی اسلامی زندگی گزار سکے۔ اور کسی فرد کے لیے اللہ اور اس کے رسولؐ کے بتائے ہوئے راستے پر زندگی بسر کرنا ممکن نہیں، تاوقتیکہ پورے کا پورا معاشرہ شعوری طور پر اسلام کو ملک کا قانون و دستور نہ بنائے اور کتاب و سنت کے احکام پر صدق دل سے عمل نہ کرے۔

لیکن اس قسم کا اصلی پاکستان کبھی حقیقت کا حامی نہ پہن سکے گا، تاوقتیکہ ہم اسلامی قانون کو اپنے 'غیر واضح اور مبہم' اصولوں کے لیے اصل اصول نہ بنائیں اور اسی اسی گھٹنے، اسی منہ،

اسی سینڈ سے اسلام اور اس کے احکام کو اپنے تمام شخصی اور معاشرتی طرزِ عمل کی اساس نہ بنائیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ ہماری صفوں میں ایسے بہت سے لوگ موجود ہیں جو مذہب کو اس حد تک غیر اہم خیال کرتے ہیں، کہ ہم جو تحریک پاکستان کے مذہبی رُخ پر اس قدر اصرار کر رہے ہیں تو ہم سے ناراض ہو جائیں گے۔ اگرچہ دوسری طرف یہ بات بھی ہے کہ اگر انھیں یہ احساس دلایا جائے کہ مسلم قوم بہ حیثیت مجموعی اسلام کی جانب پیش قدمی کرنے کا عزمِ مصمم کر چکی ہے تو مذہب سے بے زار یہ لوگ بہت جلد جماعت کے آگے سر تسلیم خم کر دیں گے۔ بہر صورت ان کی ذاتی ترجیحات کی زیادہ پروا نہیں کرنی چاہیے اور ہمارے عزم کی راہ میں ان کی بے عزمی کو راہ نہیں ملنی چاہیے۔ کیا آپ تصور کر سکتے ہیں کہ رسول کریمؐ کفارِ قریش کی ناراضی سے بچنے کے لیے اور اس انتظار میں کہ ایک روز وہ اسلامی ریاست کی تشکیل و تعمیر میں معاون و مددگار ثابت ہوں گے، ایک دن کے لیے بھی اسلامی مقاصد کی تحصیل و تکمیل کو ملتوی کر دیتے؟

آپ اس کے جواب میں زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتے ہیں کہ ”رسولؐ تو آخر رسولؐ تھے، ان کے لیے مصلحت کوشی کو نظر انداز کرنا ممکن تھا۔ ہم تو عام سے فانی بندے ہیں۔“ اس کے جواب میں، میں آپ سے پوچھوں گا کہ کیا آپ اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر یقین رکھتے ہیں:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (احزاب ۲۱:۳۳)، درحقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسولؐ میں ایک بہترین نمونہ ہے۔

کیا یہ حکمِ ربانی آپ کی سیاست اور آپ کی دعاؤں، آپ کے ذاتی حالات و تفکرات اور آپ کی اجتماعی و معاشرتی زندگی سے کوئی تعلق نہیں رکھتا؟ (جاری)

ترجمان القرآن کے پیغام کی اشاعت میں حصہ لیجیے

ایجنسی لیجیے اور اپنے اعزہ و احباب میں، اہل محلہ اور رفقاء دفاتر میں

بازار کے دکان داروں میں، کالجوں، اسکولوں اور مدارس میں فروخت کیجیے

5 سے زائد برچوں پر 25 فی صد 25 سے زائد برچوں پر 33 فی صد

منیجر ماہنامہ ترجمان القرآن، ۶- صابر سٹریٹ، ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور-۵۳۶۰۰